کوهستان سیاہ کے مجاهدین

(تاریخ کا ایک گمشدہ باب)

کیپٹن محمد حامد

۱۸۵۷ء کی جد و جہد آزادی بظاہر ناکام ہو چکی تھی۔ مغلیہ سلطنت کا باب بند ہوچکا تھا۔ دهلی کے تاج و تخت پر جو اس سے پہلے مسلمانوں کو صدیوں تک اپنے اوپر فائز دیکھ چکا تھا، انگریز قابض ہوچکے تھے۔ علماء اور مجاهدین آزادی کے شہید جسم دهلی سے لے کر لکھنؤ تک شاہراہ کے ایک ایک درخت پر سجے ہوئے تھے۔ وہ مسلمان خاندان جو صدیوں سے علم و فضل اور سپاہ گری کے میدانوں میں کتنے هی نامور افراد پیدا کر چکے تھے اس انقلاب کی زد میں آچکے تھے۔ هر طرف خوف و هراس اور مایوسی پھیلی هوئی تھی۔ دهلی یوں تو کئی بار لٹی تھی لیکن اب کے فرنگیوں کے مظالم کچھ اس طرح کے تھے کہ تہذیب شرم سے منہ چھپا لے۔ انگریز خود اپنے هم‌وطن سپاهیوں کی چیرہ دستیوں کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ سرهند سے لے کر بنگال تک تمام علاقہ انگریزوں کی عملداری میں آچکا تھا۔ انگریز خوش تھے کہ وہ ایشیا کی ایک بہت بڑی سلطنت کے مالک بن بیٹھے هیں لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد کے چند خاموش سالوں کی جلو میں کتنے هی طوفان چھپے هوئے تھے۔ انگریزی دور کی تاریخ جو کہ الهی کے نامزد کردہ مورخوں نے تحریر کی ہے ان واقعات سے جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں سرحدی علاقے میں پیش آئے بالکل خالی ہے۔ کہیں سرسری ذکر ہے بھی تو اس انداز میں کہ "سرحد میں یورش هوئی لیکن فوراً دبا دی گئی"۔ بدقسمتی سے اس دور کی تاریخ کو تفصیل سے بہت کم مورخین نے قلم بند کیا ہے۔ لائبریریوں کی گردآلود الماریوں میں

کچھ کتابیں ضرور موجود ھیں جو اس دور کے انگریز کمانڈروں نے تحریر کی ھیں۔ ان سے ھمیں حقیقت کا یک طرفہ رخ ضرور نظر آتا ہے لیکن ان تمام منتشر معلومات سے جو بہر حال ہمارے "دشمنوں" ھی کے ھاتھوں ھمیں ملتی ھیں ھمیں مجاھدین آزادی کی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ ۱۸۵۷ء سے صرف ۶ سال بعد امبیلا کی جنگ میں جنرل چیمبر لین جو انگریز افواج کا کمانڈر تھا زخمی ھوگیا تھا اور ایک ھزار کے قریب انگریز سپاہ تہ تیغ کر دی گئی تھی۔ یوں تو امبیلا کی جنگ کے نتائج انگریزوں کے حق میں کسی بدترین شکست سے بھی بڑھ کر تھے لیکن فوجی مورخوں کی چابکدستی کی داد دینا پڑتی ہے جنہوں نے ان تمام واقعات کو فتح کا رنگ دے کر پیش کیا۔ یہ جنگ مردان سے ۵۰ میل کے فاصلے پر مجاھدین کے خلاف لڑی گئی تھی اور آج بھی امبیلا کے درے کے دونوں جانب بلند چوٹیاں اپنے دامن میں آگ اور خون کی کتنی ھی داستانیں چھپائے کھڑی ھیں۔ یہ داستانیں بڑی ولولہ انگیز ھیں۔ ان کا ذکر پھر کسی موقع پر آئے گا۔ اس وقت مجھے کوھستان سیاہ کے ان جانبازوں کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرنا ہے جنہوں نے انگریزوں کے کئی کالموں کو ناکوں چنے چبوائے۔

۱۸۳۱ء میں سانحہ بالاکوٹ پیش آیا تھا۔ تحریک مجاھدین کے دو عظیم رھنما سید احمد شہیدرح اور شاہ اسمعیل شہیدرح اپنے بیش قیمت مجاھدین کی ایک بڑی تعداد سمیت شہید ھو گئے تھے لیکن بچے کچھے ساتھی دریائے سندھ کو پار کر کے اس علاقے میں چلے گئے تھے جو کوھستان سیاہ کے دامن میں موجود ہے۔ دریائے سندھ کی حیثیت اب ایک مضبوط دفاعی حصار کی سی ھو گئی تھی اور یہ علاقہ خاصا محفوظ تھا۔ یہاں ستھانہ کا مرکز قائم کیا گیا تھا اور یہیں سے بعد میں مجاھدین مختلف جگہوں پر لشکر کشی کرتے رہے۔ ستھانہ کو ھم موجودہ دور کی فوجی اصطلاح میں ایک گیریزن یا چھاؤنی کہہ سکتے ھیں جو کہ بیک وقت مجاھدین کا ھیڈ کوارٹر بھی تھا اور ایسا کیمپ بھی جہاں

سے مختلف جگہوں پر چھاپے مارے جا سکتے تھے۔ مجاہدین ایک عرصے تک بہت بڑے پیمانے پر کوئی لشکر سامنے نہیں لاسکتے تھے۔ ان کے وسائل محدود تھے۔ تحریک کے رہنماؤں کی شہادت کے بعد جماعت میں کسی حد تک انتشار بھی پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود کسی نہ کسی طرح مجاہدین اپنی کوششوں میں مصروف رہے۔ ان میں شکست خوردہ ذہنیت یا انفعالیت قطعاً پیدا نہیں ہوئی اور بنگال سے لے کر سرحد تک سے روپوں کی تھیلیاں برابر پہنچتی رہیں۔ بنگال سے مجاہدین منزل بمنزل مرکز پہنچتے رہے۔ یہاں ان کی فوجی تربیت ہوا کرتی تھی اور وہ کچھ ہی عرصے میں میدان جنگ میں اپنے جوہر دکھانے کے قابل ہو جاتے تھے۔ بنگال شروع ہی سے اس تحریک کے لئے بھرتی کا علاقہ رہا تھا۔

اس بھرتی کے بارے میں اس تحریک کے آخری دور سے متعلق ایک صاحب مولانا صبغت‌اللہ صاحب نے مجھے بتایا کہ بنگال میں جن گھرانوں میں نرینہ اولاد نہیں ہوتی تھی وہ منت مان لیا کرتے تھے کہ اولاد نرینہ ہونے پر وہ اسے مجاہدین کے لئے وقف کر دیں گے۔ اکثر اوقات نرینہ اولاد پیدا ہوتی اور اس لڑکے کو مجاہدین کے لئے وقف کر دیا جاتا تھا۔ اسے بچپن ہی سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسے بڑا ہوکر سرحد میں فرنگیوں کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ وہ مختلف مدرسوں میں تعلیم حاصل کرتا اور یہی مدرسے بالآخر اسے منزل بمنزل سرحد پہنچانے کے ضامن ہوتے تھے۔ یہ مدرسے دینی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ تحریک کے ڈاک بنگلوں کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ گوریلا جنگ کی اصطلاح میں یہ خفیہ پناہ‌گاہیں تھیں جو کہ دشمن کے علاقے میں موجود ہونے کے باوجود اس کی دسترس سے باہر تھیں۔ انہی ذریعوں سے اشرفیوں کی تھیلیاں اور ہنڈیاں سرحد پہنچتی تھیں۔ ہنڈیاں ابتدائی دور کے کراس چیک کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دور کے جدید ترین ذرائع کو استعمال کیا کرتے تھے۔ ماہ بہ ماہ سال بہ سال تھیلیاں اور ریکروٹ سنبھالے

کی فوجی چھاؤنی میں پہنچا کرتے تھے۔ اگرچہ ۱۸۶۳ء میں اس تحریک کے رہنما مولانا عبداللہ کی امارت میں امبیلا کے مقام پر انگریزوں کے ایک بہت بڑے لشکر سے مڈبھیڑ ہوئی تھی لیکن عام طور پر مجاہدین کا طریق جنگ گوریلا لڑائی ہی کا رہتا تھا۔ انگریز وقائع نگاروں کے ترتیب کردہ واقعات سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

انگریزوں نے ہزارہ کا علاقہ اور سرحد کے علاقے سکھوں سے ہتھیا لئے تھے لیکن ان کے بقول اس تمام علاقے میں امن و امان کی صورت حال تسلی بخش نہ تھی۔ مجاہدین نے انگریزوں کے علاقوں پر پے در پے حملے کرکے ان کا سکھ چین غارت کر رکھا تھا۔ ایک بار راولپنڈی سے چند میل دور سرحد کی جانب ایک فوجی چوکی پر شبخون مارا گیا اور مجاہدین نے تمام فوجی چوکی کو غارت کر دیا۔ یہ واقعات اگر اکا دکا ہوتے تو خیر تھی لیکن انگریزوں کو تشویش اس بات سے تھی کہ یہ اکثر پیش آتے رہتے تھے اور ویسے بھی ان کی سرحدوں پر ایک مستقل خطرے کا منڈلاتے رہنا ان کے وقار اور ساکھ کا مسئلہ بن گیا تھا۔

ستھانہ میں واقع مجاہدین کی گوریلا سرگرمیوں کا نشانہ انگریزوں کے قافلہ ہائے رسد، ہندو تاجر اور ایسے مسلمان بنتے جو انگریزی علاقے میں رہ کر مجاہدین کے خلاف جاسوسی کیا کرتے تھے۔ یہ مجاہدین انتہائی برق رفتاری سے شبخون مارتے اور راتوں رات واپس اپنے مرکز (Base) پر پہنچ جایا کرتے۔ ان کے خلاف کوئی کار روائی کرنا انتہائی دشوار تھا کیونکہ کوہستان سیاہ اور اس سے ملحق علاقے جن پر انگریزوں کا کوئی عمل دخل نہیں تھا ایک محفوظ قلعے کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہاں بلند و بالا چوٹیاں، گہرے ندی نالے اور گھنے جنگل انگریزوں کے لئے خاصی مشکلات پیدا کئے ہوئے تھے۔ ۱۸۶۳ء کی ناکامی کے بعد سے اب تک انگریز اس علاقے میں قدم نہیں رکھ سکے تھے۔

امبیلا کی جنگ کے انتقام پر مقامی افراد کی حفاظت میں انگریزی فوج کا ایک دستہ ملکا کے قریب چند چھپروں کو آگ لگا کر واپس آگیا تھا اور اس واقعہ کو انہوں نے ان الفاظ میں تحریر کیا تھا ''ہم نے مجاہدین کے مرکز اور ان کی تمام رہائش گاہوں کو مسمار کرکے آگ لگا دی ہے اور انہیں عبرتناک سزا دی ہے،،۔ ملکہ معظمہ کے وائسرائے اور اس کی کونسل کو جو روزنامچے سرحد سے جاتے ان میں یہ تحریر ہوتا تھا کہ مجاہدین کو بالکل ختم کیا جا چکا ہے۔ اور دوسری طرف آئے دن پھر چھاپے پڑتے۔ رستم میں اسسٹنٹ کمشنر موجود تھا وہاں تک چھاپے پڑتے رہے۔ نواں قلعہ میں انگریزوں کے فوجی کیمپ پر شبخون مارا گیا۔ مانسہرہ تک (جو انگریزی علاقے میں شامل تھا) مجاہدین کا عمل دخل موجود تھا۔ اس طرح انگریزوں کی حالت خاصی نازک ہورہی تھی۔

بالآخر انگریزوں نے مجاہدین کی فوجی قوت کو بالکل ختم کر دینے کے خیال سے بڑی تعداد میں لشکر کشی کا فیصلہ کر لیا۔ ۱۸۸۸ء میں میجر جنرل مکوین کی سرکردگی میں ہزارہ فیلڈ فورس کے نام سے ایک بڑا لشکر ترتیب دیا گیا۔ اس کی تعداد ۱۲ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس کے علاوہ خیبر رائفل جس کی قیادت میجر محمد اسلم خان کے سپرد تھی اور جس کی تعداد ۳۰۰ تھی اس لشکر کے ہمراہ تھی۔ مہاراجہ کشمیر نے بھی دو پیادہ رجمنٹیں اور دو توپیں اس موقع پر بھجوا دی تھیں۔ لشکر چار کالموں میں منقسم تھا۔ اس لشکر نے اس علاقے میں جو کچھ کیا اس کی تفصیلات بعد میں آئیں گی۔ سرحد کی تمام جنگوں میں امبیلا کی جنگ کے علاوہ شاید ہی کبھی اتنی بڑی تعداد میں برطانوی سپاہ میدان میں آئی ہو۔ اس سے مجاہدین کی قوت اور ان کی سرگرمیوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے انگریزوں کے دل میں کتنی دہشت بٹھا رکھی تھی کہ ایک میجر جنرل

کی قیادت میں تقریباً ایک ڈویژن فوج بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس دور میں انگریز سپاہ کی تعداد کے پیش نظر یہ خاصا اہم اقدام تھا اور اتنی بڑی فوج کے باوجود کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہ نکل سکا تھا۔ مجاہدین کے مراکز انگریزوں کے قبضے میں نہیں آسکے تھے اور ان کی سرگرمیاں حسب معمول جاری تھیں۔

جغرافیائی پس منظر

ایبٹ آباد سے مانسہرہ جاتے ہوئے پہاڑوں کے ایک طویل سلسلے کے پیچھے سے کوہستان سیاہ جسے مقامی زبان میں کالا ڈھاکا کہتے ہیں جھانکتا ہوا نظر آتا ہے۔ تربیلا ڈیم سے کچھ اوپر دریائے سندھ کے بالائی حصے کی طرف بڑھیں تو دریا کے دائیں کنارے پر کوہستان سیاہ کی چوٹیاں دور تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ پہاڑ جس کا کچھ حصہ آج تک علاقہ غیر سمجھا جاتا ہے اس کی بلند چوٹیاں موسم گرما کے آغاز تک برف سے لدی ہوتی ہیں۔ اس کے شمال میں گلگت ایجنسی میں تنگیر کا علاقہ ہے۔ شمال مشرق میں چلاس، مغرب میں سوات کا بالائی علاقہ اور جنوب، جنوب مشرق اور مشرق میں ضلع ہزارہ واقع ہے۔ اس پورے علاقے میں پہاڑوں کی اونچائی ۱۰ ہزار سے لے کر ۱۹ ہزار تک ہے۔ مشرقی حصے میں پھیلے ہوئے اہم درے اور چوٹیاں حسب ذیل ہیں۔

چوٹیاں		درے	
باس	۱۰،۰۱۲ فٹ	بوتاغ درہ	۱۳،۸۰۰ فٹ
دھو مدمہ	۱۰،۷۶۳ ،،	چاچرکہ گلی	۱۳،۴۰۰ ،،
ملکی	۱۲،۴۶۵ ،،	سپت گلی	۱۳،۴۰۰ ،،
بھستی	۹،۰۰۱ ،،	ملک سیری	۱۴،۰۰۰ ،،
چٹابٹ	۸،۷۱۰ ،،	مرزا گلی	۱۱،۷۵۰ ،،
		جل پاس	۴،۹۵۰ ،،

اس تمام علاقے کی لمبائی اور چوڑائی جو مجاہدین کی زد میں تھی ۸۰ میل اور ۸۰ میل کے لگ بھگ ہے۔ اس طرح یہ علاقہ اندازاً ۶۸۰۰ مربع میل ہوگا۔ ہم کوہستان سیاہ اور اس کے تمام متعلقہ علاقوں کے بارے میں جہاں کہ مجاہدین کا عمل دخل رہا ہے یہاں ذکر کریں گے۔

مشرقی سلسلۂ کوہ جو چٹابٹ سے لے کر دریائے سندھ پر کیرا کے مقام تک چلا جاتا ہے کوہستان سیاہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی عام اونچائی ۶۰۰۰ فٹ سے لے کر ۹۰۰۰ فٹ تک ہے۔ کہیں کہیں بہت گہرے درے پائے جاتے ہیں۔ اس کی مختلف شاخیں دونوں جانب پھیلی ہوئی ہیں اور ان کے درمیان بہت گہرے ندی نالے بھی موجود ہیں۔ پہاڑ کی ڈھلوانوں پر خاردار جھاڑیاں اور گھاس ہوتی ہے۔ مغربی ڈھلوانیں خاصی دشوار گزار ہیں۔ خچروں کا راستہ کہیں کہیں بنا ہوا ہے۔ مشرقی سلسلۂ کوہ سے چار شاخیں پھوٹتی ہیں۔ پہلی شاخ دھومدسہ چوٹی سے مغرب کی جانب سے دریائے سندھ کے پاس چوڑو درہ کے مقام سے نکلتی ہے۔ اس کی عام اونچائی ۱۶ ہزار فٹ ہے اور اسے سلسلہ کنڈو کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دوسری شاخ سونی درہ سے آذری اور اندراک کے دروں تک شمال مغربی سمت میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہی شاخ بعد میں دریائے سندھ تک بڑھی ہوئی ہے اور علاقہ آلائی کی شمالی سرحد پر واقع ہے۔ تیسری شاخ ملکی چوٹی سے مغرب کی طرف دریائے سندھ پر تھاکوٹ کے مقام تک پھیلی ہوئی ہے اس کی اوسط اونچائی ۱۰ ہزار فٹ ہے۔ یہ الائی اور نندھیاڑ کے درمیان واقع ہے اور اسے چیلہ پہاڑ کا نام دیا جاتا ہے۔ چوتھی شاخ چٹابٹ سے دریائے سندھ کے شمال کی طرف تھاکوٹ اور دریائے جل سے مغرب کی سمت واقع ہے۔ اس کی عام بلندی ۹ ہزار فٹ ہے۔

دریائے سندھ کا علاقہ

جالکوٹ وادی جو جالکوٹ نالے سے سیراب ہوتی ہے۔

پالاس وادی جو نیلا دریا سے سیراب ہوتی ہے۔

الائی وادی جو سرن دریا اور تھاکوٹ دریا سے سیراب ہوتی ہے۔

جالکوٹ نالے کا منبع بوتاغ درے کے پاس ہے۔ بائیں کنارے سے دودوباج اور گیتی والا نالے اس کے ساتھ مل جاتے ہیں اس کے علاوہ سپت نالہ بھی اسی میں آن گرتا ہے۔

جالکوٹ وادی ۳۰ میل لمبی اور ۳ میل چوڑی ہے اور جالکوٹ کے مقام پر دریائے سندھ سے ملحق واقع ہے۔ جالکوٹ ایک چھوٹا قصبہ تھا(۱)جس میں ۴۰۰ گھر تھے۔ وادی کے بالائی حصے میں اچھی چراگاہیں تھیں اور نچلے حصے میں چاول کی کاشت ہوتی تھی۔ آج بھی یہ علاقہ چاول کے لئے مشہور ہے۔

کنڈو پہاڑ وادیٔ پالاس کو جالکوٹ سے الگ کرتا ہے۔ یہ وادی ۲۰ میل لمبی اور ۶ میل چوڑی ہے اسے نیلا دریا سیراب کرتا ہے۔ وادیٔ پالاس میں اس وقت یہ قصبے اہم ہیں۔ پالاس، شرید اور کولائی۔ پالاس اور جالکوٹ کے درمیانی علاقے میں کاشت نہیں ہوتی۔

الائی کی وادی ۱۸ میل لمبی اور دس میل چوڑی ہے اور الدراک پہاڑ اسے وادیٔ پالاس سے الگ کرتا ہے۔ اسے دریائے سرن جو آذری درے کے پاس سے نکلتا ہے سیراب کرتا ہے۔ اس وادی کے بالائی حصے میں گھاس اور جنگل ہیں اور تنگ ندیاں نالے جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ اس وادی کا نچلا حصہ جو دریائے سندھ کے قریب ہے نسبتاً ہموار ہے اور یہاں چاول وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ اس وادی میں تقریباً تیس (۱) گاؤں ہیں جن میں سے پوکل اور بالله اس وقت زیادہ مشہور تھے۔ الائی کے جنوب میں نندھیاڑ، ٹکری

---

۱ یہ اعداد و شمار ۱۸۸۵ء کے ہیں اس وقت کئی دیہات مکمل طور پر اجاڑ دیئے گئے تھے اور کئی دیہات آجکل پہلے سے زیادہ آباد ہیں۔ بہر حال ان اعداد و شمار سے مجاہدین کی کارروائیوں کا دور سامنے آجاتا ہے۔

دیشی اور برباری کے علاقے ہیں جن میں یہ دیہات زیادہ مشہور ہیں۔ میدان، لیندھباڑ میں، چرمنگ اور ترند تکری میں اور تھاکوٹ دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر۔ تھاکوٹ آج بھی اس علاقے کا اہم گاؤں ہے۔ اس کے پاس ہی ایک خوبصورت ریسٹ ہاؤس بھی ہے اور یہ بٹا گرام سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ہے۔ بٹاگرام جسے پہلے بٹاگراؤں کہا جاتا تھا اس وقت تحصیل ہیڈکوارٹر ہے اور اس وجہ سے اس علاقے کا مرکزی قصبہ بن گیا ہے۔

دریائے سندھ کے پار کا علاقہ

وادیٔ کنڈیا، گلگت ایجنسی میں تانگیر سے نیچے واقع ہے۔ اس کی لمبائی دریائے سندھ سے ستیلتان درے تک ۳۰ میل ہے۔ اس وادی کا بڑا گاؤں کارنگ ہے۔ باگرو درہ میں خاصے جنگل ہیں۔ کوتگلہ سے دس بارہ میل نیچے رازیکا دریا سیو کے قصبے کے پاس دریائے سندھ میں جا ملتا ہے۔ پالاس کے بالمقابل پتن گاؤں کے قریب دریائے سندھ میں کئی چھوٹی چھوٹی ندیاں آن گرتی ہیں۔ پتن سے بارہ میل نیچے دبیر درہ ہے۔ دبیر چھوٹا گاؤں ہے اور یہاں انجینیئرز کا ایک خوبصورت ریسٹ ہاؤس بھی موجود ہے۔ یہاں دبیر نالہ شور مچاتا اور جھاگ اڑاتا ہوا ریسٹ ہاؤس کے پاس سے گذرتا ہے وادیٔ سوات سے نکلا ہوا یہ نالہ انتہائی خوبصورت ہے۔ یہاں سے ۱۰ میل نیچے دریائے سندھ میں ایک اور ندی آن ملتی ہے جو کانا اور گوربند وادیوں کو سیراب کرتی ہے۔ یہ وادیاں خاصی زرخیز اور آباد ہیں۔ گوربند کوتکائی اور الانائی بڑے دیہات ہیں، کانا وادی میں بلکا نائی اور کاروزائی دیہات واقع ہیں۔ یہاں سے ۲۳ میل اور نیچے، تھاکوٹ سے ۶ میل نیچے دریائے چکیسر دریائے سندھ میں جا گرتا ہے۔ یہاں سے چھ سات میل کے فاصلے پر ایک کھلے میدان میں چکیسر کے چھوٹے چھوٹے دیہات واقع ہیں۔ اتائی درہ نامی دریا گوربند درے کے پاس سے نکلتا ہے اور کابل گرام سے ایک میل جنوب میں دریائے سندھ میں جا نکلتا ہے۔

دریائے سندھ

دریائے سندھ جسے مقامی زبان میں اباسین کہا جاتا ہے اس علاقے کا سب سے بڑا دریا ہے۔ دربند سے اوپر تھاکوٹ تک اس کی عام چوڑائی ۱۰۰ سے ۲۰۰ گز تک ہے۔ دریا کا بہاؤ کئی جگہ پر بے حد تیز ہے۔ پھر بھی اس علاقے میں یہ دریا کشتیوں کی مدد سے عبور کیا جا سکتا ہے۔ اتائی درے سے کچھ نیچے دریا کی چوڑائی صرف چالیس گز رہ جاتی ہے۔ تھاکوٹ سے شمال کی جانب دریا کا پاٹ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ چلکوٹ اور سیو کے نزدیک یہ ۵۰۰ گز ہو جاتا ہے۔

مختلف قبائل

اس تمام علاقے میں جہاں مجاہدین نے اپنی کاروائیاں کیں تین مختلف نسلوں کے لوگ آباد ہیں جو اپنی اپنی جگہ مختلف چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں منقسم ہیں۔ چونکہ اس دور میں قبائل دراصل ایک تنظیمی اکائی یا یونٹ کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے اس دور میں پیش آمدہ مختلف واقعات کو سمجھنے کے لئے ان قبائل کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ یہ قبیلے تین نسل کے لوگوں کی صورت میں منقسم تھے اور ان علاقوں میں آباد تھے۔

(۱) کوھستان (۲) الائی بشمول سواتی قبائل (۳) کوھستان سیاہ اور اس سے ملحقہ بالائے سندھ علاقہ۔

کوھستان

کوھستانی نسل کے اعتبار سے چلاسیوں سے زیادہ قریب ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ نسلی اعتبار سے عرب ہیں۔ ایک دوسرے بیان کے مطابق وہ ایک کشمیری دھرم کی اولاد ہیں جسے آج سے تین صدی قبل اسلام لانے پر ڈوگروں نے نکال دیا تھا۔ انہیں دھرم خیل بھی کہا جاتا ہے۔ طاقتور اور

بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں خاصا اتحاد پایا جاتا ہے۔ یہ بڑے مہمان نواز ہیں اور ہمسایوں کے ساتھ امن پسند ہیں۔ پٹھانوں کے ساتھ ان کے رشتے ناتے ہوتے ہیں۔ ان میں لڑنے والوں کی کل تعداد ۴ ہزار تھی۔

الائی

الائی وال نسلی اعتبار سے سواتی ہیں۔ اور ان کا اصل علاقہ دریائے سندھ کا دایاں کنارہ تھا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں یوسف زئیوں نے جو سوات میں آباد تھے انہیں دریائے سندھ کے پار دھکیل دیا اور سید جلال خان کی رہنمائی میں انہوں نے اس علاقے سے جہاں وہ آج آباد ہیں ترکوں کو نکال دیا۔ (یہ ترک جنہیں کورلوکی ہزارہ بھی کہتے ہیں چودھویں صدی کے آخر میں تیمور کے ساتھ ہندوستان آئے تھے لیکن تیمور کی وسط ایشیا میں واپسی پر اس علاقے میں آباد ہو گئے تھے۔ اس بات کی سند ہمیں توزک جہانگیری سے ملتی ہے)۔ ان کی زبان پشتو ہے اور ان کے قبائلی رواج بھی پٹھانوں جیسے ہیں۔ بھوگڑ منگ اور نندھیاڑ کے سواتیوں کے ساتھ ان کی رشتہ داریاں ہیں۔

آزاد سواتیوں کے بڑے بڑے علاقے یہ ہیں الائی، نندھیاڑ، نکری، دیشی اور تھاکوٹ۔ اس دور میں یہ آپس میں مل کر ۱۲ ہزار مجاہد میدان میں لا سکتے تھے۔